

بقائے باہمی سے نسل کشی تک: فلسطین کی منظم تباہی

19ویں صدی میں، عثمانی سلطنت کے زیر انتظام فلسطین بین المذاہب ہم آہنگی کا ایک مینار تھا۔ مسلمان، عیسائی، اور یہودی۔ تقریباً 25,000 سیفارڈک اور میزراہی یہودی ایک بڑی حد تک عرب آبادی کے درمیان۔ شہروں جیسے کہ یروشلم، ہیبرون، اور یافا میں ایک ساتھ رہتے تھے۔ وہ بازار، محلے، اور ثقافتی روایات شریک کرتے تھے، عثمانی ملت نظام اقلیتوں جیسے کہ یہودیوں کو محفوظ حیثیت دیتا تھا۔ اگرچہ معمولی تناؤ پیدا ہوتا تھا، لیکن پر تشدد تنازعات نایاب تھے، اور سماجی روابط اکثر مذہبی حدود سے ماورا ہوتے تھے۔ یہ نازک امن ایک نوآبادیاتی منصوبے نے تباہ کر دیا جس نے یورپی صیہونی عزائم کو مقامی فلسطینی اکثریت پر ترجیح دی، جو کہ 77 سال کی بے دخلی، نسلی امتیاز، اور نسل کشی پر منتج ہوا۔

صیہونی تحریک، جسے 1897 کے صیہونی کانگریس میں تھیوڈور ہرزل نے باضابطہ بنایا، نے 1899 میں یورپی یہود دشمنی اور نوآبادیاتی تکبر سے متاثر ہو کر فلسطین کو ایک یہودی ریاست کے لیے ہدف قرار دیا۔ یورپی سرمائے سے فنڈز حاصل کرنے والی چھوٹی بستیوں فلسطین بھر میں ابھریں، جنہوں نے غیر حاضر عثمانی جاگیرداروں سے زمین کی خریداری کے ذریعے مقامی کسانوں کو بے دخل کیا۔ جدید زبان کے طور پر عبرانی کی بحالی نے ایک علیحدگی پسند شناخت کو مضبوط کیا، جس نے عربوں کے ساتھ مربوط موجودہ یہودی برادریوں کو یگانہ کر دیا۔ 1917 میں، صیہونی لایسٹ بیرن روٹھسچائل کے زیر اہتمام بالفور ڈیکلریشن نے برطانیہ کے وزیر خارجہ آر تھر بالفور کو فلسطین۔ ایک ایسی سرزمین جو اس کے دینے کے حق میں نہیں تھی۔ کو یہودی وطن کے طور پر وعدہ کرتے دیکھا، جس نے عرب اکثریت کے حقوق اور خواہشات کو نظر انداز کر دیا۔

1930 کی دہائی میں ہاوارا معاہدے کے ساتھ مزید شدت آئی، جو صیہونی گروہوں اور نازی جرمنی کے درمیان ایک خوفناک معاہدہ تھا۔ اس نے 60,000 جرمن یہودیوں اور ان کے اثاثوں کو جرمن سامان کے بدلے فلسطین منتقل کیا۔ 1939 تک جب یہودی ہجرت 450,000 تک بڑھ گئی، تو ایگروٹن اور لیہی جیسے صیہونی نیم فوجی گروہوں نے دہشت گردی شروع کر دی۔ ان کے بم دھماکوں، جیسے کہ 1946 میں کنگ ڈیوڈ ہوٹل پر حملہ جس میں 91 افراد ہلاک ہوئے، اور برطانوی اور عرب اہداف کے قتل نے برطانوی مینڈیٹ کو ناقابل انتظام بنا دیا۔ 1947 میں برطانیہ کی واپسی نے اقوام متحدہ کے تقسیم کے منصوبے کی راہ ہموار کی، ایک انتہائی غیر منصفانہ منصوبہ جس نے ناکہ کو بھڑکایا اور فلسطینیوں کے لیے دہائیوں کی تکالیف کا منظر ترتیب دیا۔

اقوام متحدہ کے تقسیم کے منصوبے کی ناانصافی

1947 کا اقوام متحدہ کا تقسیم کا منصوبہ (قرارداد 181) ایک نوآبادیاتی تقسیم تھی جو انصاف اور خود مختاری کے خلاف تھی۔ اس کے باوجود کہ فلسطینی آبادی کا 67% (1.2 ملین) اور یہودی 33% (600,000) تھے، منصوبے نے فلسطین کی زمین کا 56% ایک یہودی ریاست کو مختص کیا، جس میں زرخیز ساحلی علاقے اور یافا اور حیفا جیسے اہم اقتصادی مراکز شامل تھے۔ فلسطینی، جو زمین کے 94% کے مالک تھے اور صدیوں سے وہاں رہ رہے تھے، انہیں 43% ٹکڑوں میں بٹی ہوئی، کم زرخیز مغربی کنارے اور غزہ کی زمینوں تک محدود کر دیا گیا۔ منصوبے نے آبادیاتی حقیقت کو نظر انداز کیا: یہودیوں کے پاس زمین کا 7% سے بھی کم حصہ تھا اور یافا کے علاوہ ہر ضلع میں اقلیت تھے۔ یروشلم، ایک مشترکہ مقدس شہر، کو فلسطینی دعووں کو نظر انداز کرتے ہوئے ایک بین الاقوامی زون کے طور پر تجویز کیا گیا۔ عرب اکثریت نے اس منصوبے کو اپنے حقوق کی خلاف ورزی کے طور پر مسترد کر دیا، جبکہ صیہونی رہنماؤں نے اسے زیادہ علاقائی کنٹرول کے لیے ایک قدم کے طور پر قبول کیا، جیسا کہ بعد میں ان کے مختص کردہ سرحدوں سے آگے توسیع سے ثابت ہوا۔ مغربی طاقتوں کے زیر اثر اقوام متحدہ نے فلسطینیوں سے مشورہ کیے بغیر اس تقسیم کو نافذ کیا، جو نوآبادیاتی تکبر کی عکاسی کرتا تھا اور صیہونی خواہشات کو مقامی خود مختاری پر ترجیح دیتا تھا۔

ناکہ اور اس کی میراث

1948 میں، اسرائیل کی ریاستی اعلان نے ناکہ۔ ”بناہی“ بزبان عربی۔ کو جنم دیا۔ عرب آبادی کا نصف سے زیادہ، 700,000 سے زائد فلسطینی، صیہونی ملیشیا کے 500 سے زائد دیہات کو تباہ کرنے کے دوران زبردستی بے دخل کیے گئے یا خوفزدہ ہو کر بھاگ گئے۔ دیر یاسین جیسے قتل عام، جہاں 100 سے زائد شہریوں کو ذبح کیا گیا، نے خوف کو مستحکم کیا۔ فلسطینیوں کو غزہ، مغربی کنارے، اور اردن، لبنان، اور شام کے مہاجر کیمپوں میں دھکیل دیا گیا، اور انہیں واپسی سے روک دیا گیا۔ یہ نسلی صفائی، جو یوسف ویٹز جیسے افراد نے احتیاط سے منصوبہ بنائی تھی، جو یہودی قومی فنڈ کے عہدیدار تھے اور 1940 میں اعلان کیا تھا کہ ”اس ملک میں دونوں قوموں کے لیے جگہ نہیں ہے... واحد حل ایک فلسطین ہے... بغیر عربوں کے،“ نے اسرائیل کے نسلی امتیاز کے ریاست کی بنیاد رکھی۔ ویٹز کا زبردستی ”منتقلی“ کا نظریہ ناکہ کی وحشت کو شکل دیتا رہا اور فلسطینیوں کی بے دخلی میں اب بھی گونجتا ہے۔

مغربی کنارے میں بے دخلی اور نقل مکانی

1967 میں اسرائیل کے مغربی کنارے پر قبضے کے بعد سے، بے دخلی مسلسل جاری ہے۔ اب 700,000 سے زائد اسرائیلی آباد کار غیر قانونی بستیوں میں رہتے ہیں، جو چوری شدہ فلسطینی زمین پر بنائی گئی ہیں، جس سے مغربی کنارہ منقسم، غیر مربوط علاقوں میں تقسیم ہو گیا ہے۔ اسرائیل کی پالیسیاں—زمین کی ضبطی، گھروں کی مسماری، اور محدود اجازت نامے—نے دسیوں ہزاروں افراد کو بے گھر کیا ہے۔ بی تسلیم کے مطابق، 1967 سے اب تک 20,000 سے زائد فلسطینی گھروں کو مسمار کیا گیا ہے، اکثر اس بہانے کہ ان کے پاس اجازت نامے نہیں ہیں، جو اسرائیل شاذ و نادر ہی جاری کرتا ہے۔ اردن کی وادی اور مشرقی یروشلم جیسے علاقوں میں، پوری برادریوں کو بے دخلی کا خطرہ ہے؛ مثال کے طور پر، مسفریطا کے 1,000 رہائشیوں کو فوجی زونز کی توسیع کے لیے ہٹانے کا خطرہ ہے۔ اسرائیلی قانون اور فوجی تحفظ کے ذریعے حمایت یافتہ بستیوں کی توسیع نے مغربی کنارے کی زمین کا 40% سے زیادہ قبضہ کر لیا ہے، اور فلسطینیوں کو سخت کنٹرول کے تحت 165 "جزیروں" تک محدود کر دیا گیا ہے۔ چیک پوائنٹس، سڑک کے رکاوٹیں، اور علیحدگی کی دیوار—جسے 2004 میں بین الاقوامی عدالت انصاف نے غیر قانونی قرار دیا—خاندانوں، زرعی زمینوں، اور روزگار کو الگ کرتی ہیں، جس سے فلسطینیوں کی زندگی ناقابل برداشت ہو جاتی ہے۔ یہ منظم چوری، عمارت کے حقوق سے انکار کے ساتھ مل کر، نقل مکانی کو مجبور کرتی ہے جبکہ نسلی امتیاز کو مضبوط کرتی ہے۔

مغربی کنارے میں آباد کاروں کی تشدد

مغربی کنارے میں اسرائیلی آباد کاروں کا تشدد ایک روزمرہ کی دہشت ہے، جو ریاستی ملی بھگت سے ممکن ہوا ہے۔ آباد کار، جو اکثر مسلح ہوتے ہیں اور اسرائیلی فورسز کے ذریعے محفوظ کیے جاتے ہیں، فلسطینی کسانوں، چرواہوں، اور دیہاتوں پر حملہ کرتے ہیں، جس کا مقصد انہیں ان کی زمین سے بے دخل کرنا ہے۔ صرف 2024 میں، اقوام متحدہ نے آباد کاروں کے 1,200 سے زائد حملوں کی دستاویزی، جن میں آگ زنی، تخریب کاری، اور جسمانی حملے شامل ہیں۔ ہوارہ اور قصر جیسے دیہاتوں میں، آباد کاروں نے گھروں، زیتون کے باغات، اور مویشیوں کو نذر آتش کیا، جیسے کہ 2023 میں ہوارہ کے فسادات نے ایک فلسطینی کو ہلاک اور سینکڑوں کو زخمی کر دیا۔ اسرائیلی فوجی اکثر ایک طرف کھڑے رہتے ہیں یا خود کو دفاع کرنے والے فلسطینیوں کے خلاف مداخلت کرتے ہیں۔ بی تسلیم کی رپورٹ ہے کہ آباد کاروں نے، فوجی چوکیوں کی حمایت سے، فلسطینیوں کے لیے "نوگوزونز" بنائے ہیں، اور تشدد کے ذریعے ہزاروں ایکڑ زمین پر قبضہ کیا ہے۔ ہل ٹاپ یوتھ جیسے انتہا پسند آباد کار گروہ فلسطینیوں کو کھلے عام بے دخل کرنے کا ہدف رکھتے ہیں، جنہیں حکومتی شخصیات جیسے کہ بزیل سموٹریچ، جو بستیوں کی پالیسی کی نگرانی کرتے ہیں اور فلسطینیوں کے "تسخیر" کا مطالبہ کر چکے ہیں، کی طرف سے حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ یہ تشدد، جو شاذ و نادر ہی قانونی کارروائی کا سامنا کرتا ہے، نسلی صفائی کا ایک ہتھیار ہے، جو فلسطینیوں کے وجود کو غیر مستحکم بناتا ہے۔

نسل کشی کی وکالت اور اقدامات

اسرائیلی رہنماؤں کی وکالت نے طویل عرصے سے فلسطینیوں کو غیر انسانی بنا کر مظالم کو جائز قرار دیا ہے۔ 1940 میں یوسف ویٹز کی عربوں کے بغیر فلسطین کی ایتیل، دہائیوں بعد اوادیر یوسف ایتان جیسے افراد میں گونجی، جو ایک سابق جنرل تھے اور 1983 میں فلسطینیوں کو "بوٹل میں نشے کے کاکروچ" سے تشبیہ دی، جو ان کی قید اور خاتمے کے لیے ایک گھناؤنی استعارہ تھی۔ حالیہ دنوں میں، اکتوبر 2023 میں، وزیر دفاع یو آو گالنت نے غزہ پر "مکمل محاصرہ" عائد کیا، اعلان کرتے ہوئے کہ "کوئی بجلی نہیں، کوئی کھانا نہیں، کوئی ایندھن نہیں... ہم انسانی جانوروں سے لڑ رہے ہیں۔" وزیر خزانہ بزیل سموٹریچ، جو غزہ کی مکمل تباہی کی وکالت کرتے ہیں، نے 2023 میں کہا کہ "غزہ کو مٹانا" ضروری ہے، بھوک اور بمباری کی حمایت کرتے ہوئے۔ یہ بیانات، ہلاک ایڈ اور مسلسل فضائی حملوں جیسے اقدامات کے ساتھ مل کر، اقوام متحدہ کی نسل کشی کی تعریف کے مطابق ہیں: کسی گروہ کو تباہ کرنے کے لیے جان بوجھ کر کیے گئے اقدامات۔ یروشلم فلیگ مارچ، جو 1967 سے ایک سالانہ تقریب ہے، ہزاروں اسرائیلی انتہا پسند قوم پرستوں، بشمول آباد کاروں، کو مشرقی یروشلم میں "عربوں کو موت" کے نعرے لگاتے دیکھتا ہے، یہ نفرت کا ایک رسمی عمل ہے جو پولیس کے ذریعے محفوظ کیا جاتا ہے۔ 2024 میں، مارچ کے شرکاء نے فلسطینی دکانوں اور صحافیوں پر حملہ کیا، بغیر کسی قابل ذکر نتائج کے، جس سے نسل کشی کے جذبات کو معمول بنایا گیا۔

غزہ میں جاری نسل کشی

غزہ، 2 ملین افراد کے لیے 365 مربع کلومیٹر کا ایک جیل، ناقابل روکے ہوئے ہولناکیوں کا سامنا کر رہا ہے۔ اکتوبر 2023 سے، اسرائیلی فوج نے غزہ کی وزارت صحت کے اندازوں کے مطابق 60,000 سے زائد فلسطینیوں کو ہلاک کیا ہے۔ 70% خواتین اور بچے۔ گالنت اور سموٹریچ کے محاصرے سے سخت کی گئی ناکہ بندی نے غزہ کے 80% باشندوں کو بھوکا رکھا ہے، جس میں 1.8 ملین افراد شدید غذائی عدم تحفظ کا شکار ہیں (اقوام متحدہ، 2025)۔ 2025 میں قائم کیے گئے غزہ ہیومنٹیرین فاؤنڈیشن کے امدادی مقامات موت کے جال ہیں: 743 سے زائد فلسطینی ہلاک اور 4,891 زخمی ہوئے، اکثر اسرائیلی گولیوں اور بمباری سے، جب وہ کھانا تلاش کر رہے تھے۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل اور ڈاکٹرز و آؤٹ بارڈرز ان اقدامات کو ممکنہ جنگی جرائم قرار دیتے ہیں، اور اقوام متحدہ اسرائیل کی بھوک کی پالیسی کو نسل کشی کے طور پر لیبل کرتا ہے۔ ہسپتال، اسکول، اور مہاجر کیمپ کھنڈر بن چکے ہیں، غزہ کی 90% بنیادی ڈھانچہ تباہ ہو چکا ہے۔ وحشت۔ بچوں کو گولی مارنا، خاندانوں کو ملبے تلے دفن کرنا، اور ہجوم کو کوسنا۔ ایک قوم کو مٹانے کی ایک حساب شدہ نیت کی عکاسی کرتی ہے۔

19 ویں صدی کے بقائے باہمی سے آج کے نسل کشی تک، فلسطین کی کہانی نوآبادیاتی چوری، غداری، اور ناقابل روکے ہوئے ظلم کی کہانی ہے۔ اقوام متحدہ کے تقسیم کے منصوبے کی ناانصافی، ناکبہ کی نسلی صفائی، اور مغربی کنارے میں جاری بے دخلی اور آبادکاروں کا تشدد ایک تسلسل بناتے ہیں۔ ویٹز سے گالٹ تک نسل کشی کی وکالت، “عربوں کو موت” کے نعروں سے تقویت یافتہ، ایک ایسی نظام کو ہوا دیتی ہے جو فلسطینیوں کے دکھوں پر پروان چڑھتی ہے۔ غزہ میں 60,000 سے زائد اموات کے ساتھ قتل عام نہ صرف ایک المیہ ہے بلکہ ایک انسانی جرم ہے، جو عالمی خاموشی سے ممکن ہوا ہے۔ فلسطینیوں کی جدوجہد نہ صرف یاد رکھنے بلکہ انصاف کی مانگ کرتی ہے۔